عصر حاضر کے امیر کاروانِ حدیث

حضرت مولانا محمد یونس جونپوری رحمہ اللہ

ایک ناتمام جھلک!

نورالحسن راشد کاندھلوی

سہ شنبہ ۱۶؍شوال ۱۴۳۸ھ کی صبح، ایک غیر معمولی اور الم ناک صبح تھی، جس میں دنیا بھر کے لاکھوں علماء، محدثین اور حدیث شریف سے انسیت اور رابطہ رکھنے والے بے شمار افراد کے سروں سے ایک بڑا سہارا، رخصت ہوا اور وہ گویا علمی طور پر یتیم ہوگئے۔ یہ محدث یگانہ، امام زمانہ، حضرت مولانا محمد یونس جونپوری کا حادثۂ وفات تھا جو اچانک پیش آیا اور پوری دنیا میں غم والم کی ایک نہ ختم ہونے والی یاد چھوڑ گیا۔

یہ کسی ایک شخص کی وفات کا صدمہ نہیں تھا، ایک بحر علم کی روانی تھم جانے اور اس سے براہ راست فیض کا دروازہ بند ہونے کا ماتم تھا، ایسا ماتم اور ایسی کیفیت جو نہ صرف لفظاً بلکہ حقیقتاً ''موت العالم موت العالَم'' کی مصداق ہو، تاریخ میں بہت کم ہوئی ہے۔

ایسے افراد کہ جن کے دنیا سے رخصت ہونے پر پوری دنیا کی علمی محفلوں میں رنج وغم کی گھٹائیں چھا گئی ہوں اور ہر ایک نے اس کا صدمہ اور وفات کا رنج اپنے دل میں محسوس کیا ہو اور ہر ایک حساس شخص کو لگا ہو کہ جیسے زمین ہل گئی اور دنیا سے کوئی بڑا وجود، بہت بڑی شخصیت اور علم وفضل کا غیر معمولی تاجدار رخصت ہوگیا۔ ایسے لوگ پوری دنیا میں بہت کم ہوئے ہیں اور ہندوستان میں تو اور بھی کم، جن کا دنیا بھر میں مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک صدمہ محسوس کیا گیا ہو اور چھوٹوں نے نہیں بلکہ بڑے بڑے، بہت بڑے مایۂ ناز علماء اور اہل درس وافادہ خصوصاً حدیث کے طلباء، اساتذہ اور جلیل القدر محدثین کرام نے گہرا صدمہ محسوس کیا ہو، اور اس کا اپنی تحریروں اور کلمات میں اظہار کیا ہو کہ وہ ایک حد تک بے سہارا اور یتیم ہوگئے۔

ابن رجب نے ذیل طبقات حنابلہ میں لکھا ہے کہ بعض سیاحوں، مسافروں سے سنا ہے کہ جب وہ چین پہنچے تو وہاں کے شہروں میں ''الصلاۃ علی ترجمان القرآن'' کے نعرے بلند تھے اور حضرت شیخ

الاسلام امام ابن تیمیہ کی غائبانہ نماز جنازہ کی تیاریاں ہورہی تھیں۔

یہ بات ہمارے قریبی دور میں غالباً صرف دو شخصیتوں کے لئے اس وسعت اور شدت وقوت کے ساتھ کہی گئی، پہلی شخصیت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تھی، جن کو یہ سعادت واعزاز حاصل ہوا کہ رمضان کی مبارک ومقدس راتوں میں، حرمین شریفین میں مولانا کی غائبانہ نماز جنازہ ہوئی اوران عالی مرتبت اور بابرکت مقامات کے علاوہ دنیا کے متعدد مقامات اور ملکوں میں حضرت مولانا کی بار بار نماز پڑھی گئی، پاکستان کے حکمراں، جنرل ضیاء الحق کے ساتھ بھی تقریباً یہی معاملہ ہوا، اب پھر یہ واقعہ دہرایا گیا کہ استاذ نا الجلیل، محدث کبیر، حافظ وناقد بصیر، حضرت مولانا محمد یونس صاحب جونپوری رحمہ اللہ ۱۶رشوال ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۱راپریل ۲۰۱۷ء کی صبح معمولی علالت کے بعد، اپنے بیسیوں ہزار شاگردوں اور لاکھوں مستفیدین اور محبت کرنے والوں کو روتا بلکتا چھوڑ کر، اس دارفانی سے دارالبقاء کو رحلت کر گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

وھذا الذی لا یأتی الزمان بمثله		ان الزمان لمثله لبخیل

مولانا کی وفات کی خبر ایک صاعقۂ آسمانی تھی، جو لمحوں میں پوری دنیا میں گونج گئی اور اسی وقت سے حضرت مولانا کے متعلق جو تأثرات، تعزیتی تحریریں اور خطوط میڈیا اور ذرائع ابلاغ پر آنے شروع ہوئے تھے، اس کا سلسلہ اب تک جاری ہے، غالباً ستر، پچہتر تحریریں آچکی ہیں، توقع ہے کہ یہ سلسلہ دیر تک جاری رہے گا۔ حضرت مولانا پر لکھنے والوں میں حرمین شریفین کے جلیل القدر علماء، محدثین اور دنیا بھر میں پھیلے ہوئے کبار اساتذۂ حدیث اور وہ اساتذہ اور علماء شامل ہیں کہ جو خود اپنے خطّوں، ملکوں میں مرجع علماء اور اہل کمال ہیں۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ خبریں ہیں کہ حضرت مولانا کی غائبانہ نماز جنازہ، ملکوں ملکوں پڑھی گئی، یورپ، امریکہ اور افریقہ کے متعدد ملکوں میں، جس میں مراکش، تیونس [جامعہ زیتونیہ میں] سوڈان، متعدد عرب ممالک، برازیل، کناڈا، یہاں تک کہ تھائی لینڈ جیسے علاقے میں غائبانہ نماز جنازہ کا اہتمام کیا گیا، ان کے علاوہ اور ملکوں میں بھی نماز جنازہ ہوئی ہوگی، مگر مجھے سب کا علم نہیں۔

یہ اس شخص کا ماتم ہے، جس نے پوری زندگی ایک مدرسہ کے حجرے میں، معمولی فرش اور ٹاٹ پر بیٹھ کر، لیٹ کر گزار دی۔ اور دنیا کے تمام منافع، مصلحتوں، مادیات اور ضروریات سے بلند ہو کر صرف رضائے حق اور عشق نبوی میں چور ہو کر، اپنا دامن خدمت حدیث نبوی سے وابستہ کرلیا اور اس طرح کیا کہ زندگی کا ایک

ایک لمحہ، سارا عیش و آرام، دنیا کی ساری تمنائیں اس کے لئے قربان کردیں اور پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو نوازا بھی اس طرح کہ ہند، پاکستان، بنگلہ دیش تو کیا، پوری دنیائے اسلام میں ان جیسے حدیث کے عالم دو چار ہوں تو ہوں، غالباً اس سے زیادہ نہیں۔

حضرت مولانا کے لئے حدیث شریف کے جملہ علوم، تمام مباحث اور کہنا چاہئے کہ اکثر کلیات اور جزئیات گویا بالکل پانی ہوگئے تھے، روایت حدیث، درایت حدیث، فہم حدیث، شرح حدیث، اصول حدیث، رجال حدیث، اسانید حدیث، مراتب حدیث اور مراتب رواۃ ومحدثین کا ایک ایک گوشہ اور عنوان نہیں، تمام ہی عنوانات اور تمام ہی مباحث ہر وقت مستحضر، پیش نظر اور نوک زباں رہتے تھے، جب جس کو چاہا، جدھر ذہن گیا، اس کے تمام ابواب کھلتے چلے گئے، اس کا ہر ایک پہلو واضح ہوتا گیا۔ ان موضوعات سے واقفیت، بلکہ ان کی بڑی خبر اور ان میں واضح بصیرت رکھنے والے بھی، جب یہ باتیں سنتے تو سبحان اللہ واحسنت کہہ اٹھتے، اور اس کا اعتراف کرتے کہ ہم نے بہت کچھ نیا سنا اور جانا ہے۔ میں نے خود مولانا سے ایک سے زائد مرتبہ سنا ہے کہ اللہ کے فضل وکرم سے، حدیث شریف کی معروف کتابوں اور دستیاب ذخیرے میں کوئی حدیث ایسی نہیں ہے جس پر میری نظر نہ ہو اور اس کے رجال وسند کے تمام عنوانات میرے سامنے موجود نہ ہوں۔ اس تبحر اور وسعت نظر کا کچھ اندازہ تو اسباق میں ہوتا اور زیادہ تر اس وقت جب کوئی بڑے عالم بہت بڑے محدث تشریف لاتے، اس وقت جب مولانا گہر افشاں ہوتے تو بڑے سے بڑے اساتذہ اور علماء [میں نے بھی دیکھا ہے اوروں نے بھی دیکھا ہے] اس وسعت نظر اور استحضار سے حیران وششدر ہو کر اٹھتے اور یقیناً زبان حال سے کہتے ہوں گے:

پیدا کہاں اب ایسے پراگندہ طبع لوگ	شاید کہ تم کو میرؔ سے صحبت نہیں رہی

حضرت مولانا نے زندگی کا بڑا حصہ نہایت عسرت اور غربت میں گذارا، زندگی کی عمومی ضروریات اور وسائل کی تو بات ہی کیا، بارہا ایسا ہوا کہ کھانے کو بھی کچھ نہیں ہے، دوا کو بھی پیسے نہیں ہیں۔ مگر علم کا شوق تھا جو روزافزوں رہا، ایک پیاس تھی بڑھتی جارہی تھی۔

وطن، ولادت اور کچھ ابتدائی حال : مشرقی یوپی کے ایک بہت مشہور اور علمی دنیا میں ممتاز خطے جونپور کے ایک بہت چھوٹے سے اور غیر معروف گاؤں چوکیہ میں، نسبۃً پڑھے لکھے لوگوں میں سے ایک، شبیر احمد صاحب کے گھر میں ایک بچہ، ۲۵/رجب ۱۳۵۵ھ [۲/اکتوبر ۱۹۳۷ء] میں تولد ہوا، بڑوں

نے محمد یونس نام رکھا، جس کی اس وقت واحد خوبی یہ تھی کہ وہ نہایت خوبصورت جاذب نگاہ اور جاذب توجہ تھا، خاندان اور اس کے گھر کے لوگ اس کو دیکھ کر خوش ہوئے۔ اس وقت کسے اندازہ تھا کہ یہ بچہ پوری دنیائے علم پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے گا، اور اس کی علمی ضیاباریوں سے پورا عالم اسلام، خصوصاً حدیث نبوی شریف کی محفلیں، اساتذہ کرام اور طلباء شاداب و سرشار ہوجائیں گے، یہ بچہ اپنے ماں باپ کا پہلا بچہ تھا، اس لئے دونوں اس پر اپنی اپنی محبتیں نچھاور کرتے رہتے تھے، مگر جیسا کہ اکثر بڑے اہل کمال اور ان لوگوں کے ساتھ ہوا، جن سے اللہ تعالیٰ نے دین کی بڑی خدمت لی ہے کہ تقریباً پونے چھ سال کی عمر میں ماں کا مبارک ومقدس سایہ سر سے جاتا رہا اور یہ بچہ جو گھر بھر کا دلارا تھا، اچانک سب کی نگاہوں میں اجنبی بن گیا، ماں رخصت ہوگئیں، بہن کوئی تھی ہی نہیں، اس وقت نانی نے آگے بڑھ کر، اس کو اپنی آغوش میں لیا، نانی صاحبہ باخدا خاتون اور بھلائیوں کا مجموعہ تھیں، انہوں نے اس بچہ کی پوری طرح پرورش ونگہداشت اور اس طرح نگرانی اور دینی علمی تربیت کی کہ یہ بچہ آگے چل کر آفتاب عالم تاب بنا۔

تعلیم، ابتدا سے متوسط کتابوں تک: مولانا کی عمر تقریباً ساڑھے چھ سال کی ہوگی، مولانا کی نانی صاحبہ اپنے بیٹے کو مکتب میں جانے پر تنبیہ کررہی تھیں، مولانا نے خود ہی کہا کہ میں بھی مکتب جاؤں گا، اس لئے حضرت مولانا کو ان کے ماموں کے ساتھ گاؤں سے تقریباً ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر واقع مکتب میں تعلیم کے لئے بھیج دیا گیا، ایک ڈیڑھ میل کا لمبا سفر، کمسن بچے نے کچھ چل کر، کچھ دوڑ کر، اور کچھ اپنے ماموں کے کندھے پر سوار ہوکر پورا کیا، مگر اس مکتب میں زیادہ تعلیم نہیں ہوئی، آنا جانا تو رہا لیکن پڑھائی کا سفر یہاں آگے نہیں بڑھا۔ یہاں سے ایک اور مکتب میں داخلہ ہوا، وہاں قاعدۂ بغدادی پڑھا، مکمل کیا، مگر ماموں صاحب کا تعلیمی سلسلہ چھوٹ گیا تھا، اس لئے اس مکتب سے بھی رابطہ منقطع ہوا، اسی دور میں مانی کلاں میں ایک اسکول میں داخلہ لیا، پہلی دوسری کلاس پڑھی، تیسری میں پڑھ رہے تھے کہ والد صاحب نے یہ کہہ کر تعلیم چھڑادی تھی کہ انگریزی کا اب دور نہیں رہا، ہندی میں پڑھانا نہیں چاہتا۔ دوبارہ ایک اور مدرسہ میں داخل کئے گئے، وہاں تعلیم کا سلسلہ آگے بڑھا، گاؤں کے مدرسہ میں جس کا نام ''ضیاء العلوم'' تھا، مولوی نور محمد صاحب سے تعلیم الاسلام کے کچھ سبق پڑھے تھے، یہ استاذ وطن سے پاکستان چلے گئے تھے۔ اس لئے یہاں بھی تعلیم کا سلسلہ منقطع ہوا۔ تقریباً تیرہ سال کی عمر میں معروف مدرسہ ضیاء العلوم مانی کلاں میں پہنچے، [مانی کلاں، مولانا کا وطن نہیں، مولانا کا وطن تقریباً وہاں سے تین میل دور، ایک اور گاؤں چوکیہ تھا] ضیاء العلوم،

مانی کلاں میں ابتدائے فارسی سے، فارسی درس کی منتہیانہ کتاب، سکندر نامہ تک فارسی مکمل کی اور ابتدائی عربی درسیات سے متوسط کتابوں، شرح وقایہ، نورالانوار، مختصر المعانی، اور مقامات حریری تک، سب کتابیں اسی مدرسہ میں مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری اور مولانا ضیاء الحق صاحب فیض آبادی سے پڑھیں۔

مولانا ضیاء الحق فیض آبادی کی شفقت اور توجہ: مولانا ضیاء الحق صاحب حضرت مولانا پر نہایت شفقت فرماتے تھے، دینی، اخلاقی تربیت اور اسباق ہر ایک پر پوری توجہ فرمائی اور اس عزیز شاگرد کو ہر ایک کتاب بلکہ ہر ایک فن میں باکمال بنادیا۔ مولانا ضیاء الحق صاحب کی انتہائی آرزو تھی کہ یہ بچہ [مولانا محمد یونس] پڑھ لے، جس کے لئے ہمیشہ فکرمند اور مولانا کی اعلی تعلیم وتربیت کے لئے مضطرر رہتے تھے۔ مولانا ضیاء الحق صاحب نہیں چاہتے تھے کہ مولانا یونس صاحب کا کوئی سبق ناغہ ہو، وہ درس سے غیر حاضر ہوں یا کسی کتاب اور مضمون میں پیچھے رہ جائیں۔ اس سے بہت ناخوش ہوتے اور مولانا کو بہت محبت سے اس کی تلافی پر تیار کرتے رہتے تھے۔

یہ مولانا ضیاء الحق صاحب کی انتہائی شفقت ودل نوازی، یا کہنا چاہئے کہ جوہر شناسی اور مستقبل بینی تھی کہ انہوں نے حضرت مولانا پر ایسی توجہ فرمائی، مولانا کے اسباق کی تکمیل پر اس قدر محنت کی کہ وہ اُس نوعمری میں نہ صرف اپنی جماعت میں، بلکہ اپنے سے بہتر طلباء میں بھی ممتاز ہوگئے تھے۔ ایک دومرتبہ ایسا بھی ہوا کہ مدرسے اور طلباء کی جماعت میں اختلافات ہوئے، مدرسہ میں تعلیم کا سلسلہ منقطع ہوا یا جماعت ٹوٹ گئی، بچے دوسرے مدرسوں میں چلے گئے یا ادھر ادھر ہوگئے، لیکن مولانا ضیاء الحق صاحب کی مولانا پر توجہ روز افزوں رہی، جو اسباق چھٹے، وہ مولانا کو مکرر پڑھائے جس کتاب کے ناقص رہنے کا ڈر رہا اس کا درس دیا اور حضرت مولانا کو کسی وقت بھی درس وتعلیم سے دور نہیں ہونے دیا، اور یہ سب کتابیں، ان کے تمام موضوعات اور قواعد وضوابط اس طرح پڑھائے کہ مولانا کے دل ودماغ میں پیوست ہوگئے، علم کی اک شمع روشن ہوگئی تھی، جس نے ہر وقت بے تاب وبے چین کئے رکھا یہی بے چینی مولانا کو ہر لمحے علمی صلاحیتوں کے بڑھانے اور درس وتعلیم کے مطالبات پورا کرنے پر اکساتی اور متوجہ کرتی رہی۔ یہ مولانا ضیاء الحق صاحب کی عنایت ہے کہ انہوں نے اس جوہر قابل کو پہچانا، اور اس سنگ ریزے کو تراش کر ایسا مصفی ومجلی فرمادیا کہ بعد میں اس کی تابانیاں دنیا کی نگاہوں کو خیرہ کرتی رہیں۔

مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ: مانی کلاں کے مدرسہ سے تعلیم پوری ہونے کے بعد اساتذہ کی رائے مظاہر علوم جانے، داخلہ لینے اور تعلیم مکمل کرنے کی ہوئی، چنانچہ مولانا شوال ١٣٧٧ھ

[مئی ۱۹۵۸ء] میں چند طلباء کے ساتھ مظاہر علوم آئے اور اس شان سے آئے کہ ایک دو معمولی کپڑوں اور پانچ روپئے کے علاوہ کچھ بھی ساتھ نہیں تھا، لیکن مولانا کے دل میں طلب علم کا جوشوق اور تعلیم کی جو بے نہایت تمنا تھی، اس کے سامنے ان ضرورتوں اور چھوٹی موٹی باتوں کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔

مولانا نے مدرسہ مظاہر علوم میں پہلے سال میں جلالین، ہدایہ اولین، میبذی پڑھی، سال دوم میں بیضاوی، مشکوٰۃ المصابیح، ہدایہ ثالث اور سلم العلوم وغیرہ مکمل کیں، اور تیسرے سال یعنی شوال ۱۳۷۹ھ سے شعبان ۱۳۸۰ھ [اپریل ۱۹۶۰ء، فروری ۱۹۶۱ء] تک دورۂ حدیث شریف پڑھا، بخاری شریف، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا سے، صحیح مسلم مولانا منظور احمد خاں صاحب سے، ترمذی مولانا امیر احمد صاحب کاندھلوی سے پڑھ کر دورۂ حدیث مکمل کیا، شوال ۱۳۸۱ھ [اپریل ۱۹۶۱ء] میں ہدایہ رابع، درمختار کے علاوہ معقولات کی ایسی چند کتابیں جو اس وقت کے نصاب درس سے بھی تقریباً خارج ہو چکی تھیں، صدرا، شمس بازغہ، شرح چغمینی، رسالہ اقلیدس اور خلاصۃ الحساب حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحب سے پڑھیں اور ان میں بھی اعلیٰ درجہ میں کامیاب ہوئے۔

مظاہر علوم میں تقرر اور اسباق: تکمیل تعلیم کے فوراً بعد اہل مدرسہ نے اعلیٰ ترین علمی قابلیت، صلاحیت کی وجہ سے، مظاہر علوم میں معین مدرس کے عنوان سے مدرسہ میں معمولی وظیفہ پر تقرر کر دیا، یہ تقرر شوال ۱۳۸۱ھ [اپریل ۱۹۶۲ء] میں ہوا تھا، پہلے سال میں شرح وقایہ اور قطبی پڑھانے کا موقعہ ملا، دوسرے سال میں بھی یہی کتابیں تھیں، تقرر کے تیسرے سال تیس روپئے خشک [یعنی بلا طعام] تنخواہ مقرر ہوئی، مقامات حریری اور قطبی کے اسباق سپرد ہوئے، شوال ۱۳۸۴ھ [مارچ ۱۹۶۵ء] میں قطبی کے علاوہ ہدایہ اور اصول الشاشی پڑھانے کی خدمت سپرد ہوئی، زمانۂ طالب علمی میں جو کچھ پڑھا وہ سب مستحضر اور نوک زباں تھا، اور مظاہر علوم میں تعلیم کے ابتدائی دور سے ہمہ وقت مطالعہ میں غرق رہنے کا معمول تھا، جو وقت کے ساتھ ساتھ تیز رفتاری سے بڑھا، اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ جب ہدایہ اولین پڑھائی تو اس پر مفصل مقدمہ لکھا، اور اصول الشاشی پڑھانے کے دوران، اس کی روایات واحادیث کی مفصل تخریج کی۔

مشکوٰۃ شریف کا درس: شاید یہ اسباق اسی ترتیب سے کچھ آگے چلتے، کہ ذی الحجہ ۱۳۸۵ھ [اپریل ۱۹۶۶ء] میں مظاہر علوم کے صدر مدرس اور مولانا کے محبوب استاذ، مولانا امیر احمد صاحب کاندھلوی جو عید الاضحیٰ کی تعطیل میں وطن گئے تھے، معمولی علالت کے بعد وفات پا گئے، اس لئے مدرسہ

میں اعلیٰ کتابوں کے پڑھانے کی ترتیب فوراً تبدیل ہوئی، ترمذی شریف کا سبق جو صدر المدرسین کی ذمہ داری ہوتا ہے، مولانا مفتی مظفر حسین صاحب کے یہاں منتقل ہوا، اور مفتی صاحب جو کتاب، مشکوٰۃ المصابیح پڑھا رہے تھے، وہ نوعمری اور تازہ مدرس ہونے کے باوجود، مولانا یونس صاحب کے سپرد کی گئی۔ حضرت مولانا نے کتاب الکبائر سے مشکوٰۃ کے سبق کا ، یا یوں کہئے کہ مظاہر علوم میں حدیث شریف کے درس کا آغاز کیا، اس سبق سے حضرت مولانا کی فطری صلاحیتوں، حدیث شریف کے غیر معمولی ذوق، وسعت نظر، اور بلند پروازی کا اہل مدرسہ اور طلباء کو اندازہ ہوا، اور اسی وقت محسوس ہو گیا تھا کہ یہ طائر بلند پرواز عام گزرگاہوں پر اپنا نشیمن نہیں بنائے گا، اس کے آفاق اوروں سے بہت وسیع اور اس کی منزل اوروں سے کہیں بالاتر ہے۔

مولانا سے، اساتذہ کا حدیث شریف کی معلومات کیلئے رجوع : مولانا کی حدیث شریف میں مہارت، ذمہ داری کا اس سے علم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا کے اساتذہ کرام جو حدیث شریف کے درس اور وسعت نظر میں خود بھی بہت ممتاز اور بڑے مرتبہ کے حامل تھے، اسی زمانہ میں حضرت مولانا یونس سے حل طلب حدیثی مباحث پر سوالات فرماتے اور ان کے علم ونظر سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا اور حضرت مولانا اسعد اللہ [ناظم مظاہر علوم سہارنپور] دونوں کے اس زمانہ میں مولانا جونپوری سے دریافت کردہ بعض سوالات اور ان کے جوابات، حضرت مولانا کے مجموعۂ افادات ''الیواقیت الغالیۃ'' میں محفوظ ہو گئے ہیں۔

مشکوٰۃ شریف کے اسباق میں جو بلند نگاہی، اور وسعت نظر مشاہدہ ہوئی، اس کا اثر یہ ہوا کہ ایک ہی سال کے بعد صحاح ستہ کی اہم کتابیں مولانا کو دیدی گئیں، حضرت مولانا نے ۱۳۸۶ھ [۱۹۶۶ء] میں ابوداؤد شریف اور نسائی پڑھائیں، اور شوال ۱۳۸۷ھ [۱۹۶۸ء] سے ایک منزل کا اور اضافہ ہوا، علمی مرتبہ کی اور قدردانی ہوئی، مسلم شریف کا سبق بھی حضرت مولانا کے حوالہ کر دیا گیا۔

صحیح بخاری کا درس اور شیخ الحدیث کا منصب: اس کے دو سال بعد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا نے اپنے صحیح بخاری کے اسباق بھی مولانا محمد یونس صاحب کے سپرد فرما دیئے، اس وقت کتنے لوگوں کو تعجب ہوا ہوگا اس نوجوان عالم پر، جس کی فراغت وتعلیم پر ابھی زیادہ وقت نہیں گذرا، شیخ الحدیث مولانا زکریا جیسے عالی مرتبت، استاذ حدیث کا اعتماد غیر معمولی بات سمجھی گئی۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت مولانا نہ صرف اس اعتماد پر پورے اور کامل اترے اور بخاری شریف کے درس کا ایسا حق ادا کیا کہ ایک دنیا اس کی معترف ہو گئی۔

نوعمری میں مولانا علی میاں کے حدیث کے ایک سوال کا جواب اور۔۔۔۔۔ یہاں ایک دلچسپ واقعہ یاد آیا، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی نے ایک مرتبہ حضرت شیخ الحدیث کو لکھا، کہ میں ایک حدیث کی تلاش میں کئی مہینہ سے پریشان ہوں، کئی بڑے علماء اور اساتذۂ حدیث سے دریافت کیا مگر مشکل حل نہیں ہوئی، اس لئے اب آپ کی خدمت میں تحریر ہے کہ فلاں حدیث اگر معلوم ہو تو اس کے الفاظ اور حوالہ سے مطلع فرمائیں، اسی دن جب مولانا یونس صاحب، شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے، شیخ نے پوچھا ارے یونس، مولوی علی میاں کا خط آیا ہے، انہیں اس حدیث کی تلاش ہے، یہ حدیث کہیں ہے؟ مولانا نے برجستہ جواب دیا اور کہا جی! امام غزالی نے یہ روایت احیاء العلوم میں نقل کی ہے اور عراقی نے اس کی تخریج بھی کی ہے، شیخ نے فرمایا لکھ کر لا! مولانا گئے اور فوراً ایک کاغذ پر لکھ کر لے آئے، شیخ نے اسی دن کی ڈاک سے وہ جواب مولانا ندوی کو بھیج دیا اور لکھا میں نے مولوی یونس سے کہا تھا وہ فوراً لکھ لائے جو بھیج رہا ہوں۔ حضرت مولانا علی میاں کو فوراً یہ جواب ملا تو بہت تعجب ہوا، جواب میں حضرت شیخ کو لکھا کہ اس مرتبہ آؤں گا تو مولانا یونس صاحب سے ملنا چاہوں گا، اس کے بعد حضرت مولانا علی میاں سہارنپور تشریف لائے، آتے ہی حضرت شیخ الحدیث سے کہا کہ میں مولانا یونس صاحب سے ملنا چاہتا ہوں، شیخ نے اپنی سادگی کے بے تکلفانہ انداز سے فرمایا: بلائیو یونس کو! اور چند منٹ کے بعد ایک نوعمر نوجوان [جس کے پوری داڑھی بھی نہیں نکلی تھی] بہت سادہ معمولی لباس میں آیا، حضرت شیخ نے فرمایا کہ لے، یہ علی میاں تجھ سے ملنا چاہتے ہیں، مگر، مولانا علی میاں صاحب کو کچھ تأمل سا ہوا انہوں نے فرمایا کہ میں مولانا یونس صاحب سے ملنا چاہتا تھا، جنہوں نے وہ حدیث شریف لکھ کر بھیجی تھی، شیخ نے جواب میں کہا کہ یہی تو ہے وہ، مولانا علی میاں کو بہت زیادہ تعجب ہوا، اور اس وقت سے حضرت مولانا کے یہاں، مولانا یونس صاحب کی بہت زیادہ قدر و منزلت ہوگئی تھی۔

حدیث میں مہارت وامتیاز: حضرت مولانا نے اس وقت سے زندگی کے آخری سال نصف صدی تک تقریباً بخاری شریف کا نہایت پابندی سے درس دیا، جس کا دنیا کے کونہ کونہ میں استقبال ہوا، اور ساری دنیا سے نہ صرف طلباء بلکہ فاضل اساتذہ حضرت مولانا سے حدیث شریف خصوصاً صحیحین پڑھنے آئے۔ حضرت مولانا سے صحیحین پڑھنے والے صرف طلبائے مظاہر علوم نہیں تھے، بلکہ دنیا بھر کے بہت سے [غالباً چالیس سے زائد] ملکوں کے علماء اساتذۂ حدیث، اور نوجوان فاضل طلباء نے کثرت سے حضرت مولانا کی خدمت میں حاضری دی، صحیحین خصوصاً بخاری شریف، بہت سوں نے سنداً و متناً پڑھی، بعضوں نے جزوی حصہ پڑھ کر اجازات لیں،

یوں مولانا کا فیضان دنیا بھر میں پھیلتا اور عام ہوتا چلا گیا۔ ادھر تقریباً آٹھ دس سال سے حرمین شریفین اور برطانیہ وغیرہ میں بھی درس حدیث کی مجلسیں جمتیں اور بڑی تعداد میں اہل علم ونوجوان، فضلاء اس میں شرکت کرتے۔ حضرت مولانا نے اپنے درس مشکوٰۃ کے آغاز کے وقت سے، پوری زندگی اور اس کے اکثر اوقات خدمت حدیث نبوی شریف میں اس طرح لگادیئے تھے کہ اس کے بعد دنیا کے کسی کام سے سروکار نہیں رکھا اور یہ بات بہت لوگوں کے لئے حیرت کا سبب ہوگی کہ مولانا جب سہارنپور پڑھنے کے لئے تشریف لائے، اس کے بارہ، تیرہ سال بعد گھر گئے تھے۔ علم کے سفر میں اس طرح ہمہ تن مشغول ہوئے کہ ہر چیز ثانوی ہوگئی تھی، نہ کھانے کی فکر، نہ پہننے کا شوق، نہ آرام وبستر کا خیال اور نہ کسی عزت ومرتبہ کی تلاش!

یہ بات قابل توجہ ہے کہ ایک گمنام وبے نشان گاؤں کے ایک اجنبی طالب عالم کو، کن کمالات اور خوبیوں نے مرجع زماں، محدث دوراں سے امیر المؤمنین فی الحدیث کے غیر معمولی مقام تک پہنچایا۔ حضرت مولانا کے کمرے میں ایک چھوٹی سی معمولی سی چارپائی اور اس پر بہت ہی معمولی دری اس پر ایک کم قیمت چادر اور ایک کم پیسوں کی لنگی اور دو کرتے، مولانا کا کل اثاثہ تھا۔ کھانے کا بھی کچھ زیادہ اہتمام نہیں تھا، وقت پر جو مل گیا اسی پر اکتفا کرلیا، جو تھوڑا بہت روکھا سوکھا سامنے آیا کھالیا۔ بعض مرتبہ کسی مصروفیت اور مطالعہ کی وجہ سے کھانا لانے کا خیال ہی نہ رہتا تھا، جب ابتدائی استاذ مقرر ہوئے، اس کے دو سال بعد مدرسہ کی جانب سے ملنے والا کھانا بند ہوگیا تھا، تنخواہ صرف تیس روپئے ماہانہ کھانے کے بغیر تھی، اور جب زمانۂ طالب علمی میں تعلیم اور مطالعہ کے نقصان کے خیال سے مطبخ کی لائن میں نہیں لگتے تھے، تو مدرس ہونے کے بعد تو اس کا خیال ہی کیا تھا، کھانا ایک آدھ طالب علم کے حوالہ رہتا وہ لاتا اور کبھی کبھی بھول جاتا، جب کھانا نہ آتا تو وہ وقت بغیر کھائے گذرتا تھا، اسی شان سے برسوں گذرے، اس کی تفصیلات طویل ہیں، موقعہ ہوگا تو آئندہ کسی وقت پیش کی جائیں گی۔

حاصل یہ ہے کہ حضرت مولانا نے علم کی راہوں میں خود کو اس طرح لگایا اور مٹادیا جس کی اس دور میں بھی مثالیں بہت ہی کم تھیں، مولانا کا جیسے جیسے علمی سفر آگے بڑھتا گیا، علم تدریس اور کتابوں کی حدود سے نکل کر دریاؤں کی سی وسعت اور گہرائی اختیار کرتا گیا ساتھ ہی حضرت مولانا میں تواضع اور بے نفسی کا احساس بھی بڑھتا گیا۔ آخر آخر میں تو بار بار کہتے، تذکرہ کرتے اور آنکھوں میں آنسو آجاتے، کہ یہ صرف اللہ کا فضل وکرم اور میرے استاذ کی دعائیں ہیں، جو تم لوگ مجھے ایسا سمجھتے ہو، لوگ میری عزت کرتے ہیں، ورنہ میں تو ایک چھوٹے سے گاؤں کا رہنے والا ہوں، اور اپنے رشتہ داروں اور گاؤں

والے بچوں کے ساتھ اپنے قد سے تین چار گنی اونچی بھینس جنگل اور تالاب میں چرایا کرتا تھا، یہ بات کہتے اور آنکھوں میں آنسو آ جاتے، میں نے خود کئی مرتبہ دیکھا اور اوروں سے بھی بار بار سنا:

حضرت مولانا نے، اندازہ یہ ہے کہ اٹھارہ بیس ہزار باقاعدہ شاگرد چھوڑے، جن کے ذریعہ سے حدیث کا فیض پوری دنیا میں جاری ہے۔

علمی مسائل کی جستجو میں اپنے چھوٹوں کی حوصلہ افزائی: اس تبحر، غیر معمولی وسعت نظر اور پوری زندگی علم ومطالعہ میں گزارنے، مسند امامت حدیث پر فائز ہونے کے باوجود آخر آخر تک بھی دوسرے کی رائے سنتے تھے، جو باتیں بہت اہم ہوتیں یا خاص علمی حوالوں پر مشتمل ہوتی تھیں، ان پر اور زیادہ توجہ فرماتے تھے اور کبھی کبھی اپنی کتابوں پر بھی ان کی یادداشت اور حوالے لکھ لیتے تھے۔

مدینہ طیبہ میں مقیم ایک ممتاز فاضل شیخ احمد عاشور [جو حضرت مولانا کے خاص شاگرد بھی ہیں] کی دقت نظر، وسعت مطالعہ اور متون ومباحث کے استحضار کے بہت قائل اور معترف تھے، اکثر ان کے حافظہ اور استحضار کا تذکرہ کرتے رہتے تھے اور اپنی کئی کتابوں کے حواشی میں ان کے افادات نقل کئے جن کے آخر میں ''احمد'' لکھا ہوا ہے۔

ابھی وفات سے تین مہینے پہلے [رجب ۱۴۳۸ھ] کی بات ہے کہ مولانا کے ایک ادنیٰ شاگرد نے، حضرت مولانا کے سامنے حضرت شاہ عبدالغنی مجددی کا ایک ثبت [اسانید وسلسلہ اجازات کا مجموعہ] پیش کیا۔ یہ ثبت نہایت نادر ہے، اس میں حضرت شاہ عبدالغنی نے اپنی تمام سندیں اور اجازتیں جمع فرمائی ہیں، مرتب مجموعۂ اسانید نے عرض کیا کہ ہمارے اکابر کی تمام سندوں کو صرف حضرت شاہ اسحاق کے حوالہ سے کیوں نقل کیا جاتا ہے، ان میں حضرت شاہ عبدالغنی کے اور اساتذہ کا کیوں تذکرہ نہیں آتا، جب کہ تمام اثبات ومشیخات سے معلوم ہوتا ہے اور یہی خود حضرت شاہ عبدالغنی نے بھی لکھا ہے کہ ان کے پہلے استاذ حدیث شیخ محمد عابد سندھی ہیں۔

اور شیخ عابد سندھی کی بعض اسانید، اسانید خاندان ولی اللّٰہی سے عالی ہیں، حضرت مولانا نے اس بات کو بہت غور اور توجہ سے سنا اور فوراً ثبت کو بھی محفوظ کیا اور اپنی کتاب پر اس کی یادداشت بھی لکھی، اور فرمایا میں آئندہ سال سبق میں اس کا تذکرہ کروں گا، اسی طرح اور بھی کئی موقعوں پر ہوا کہ جب کوئی ایسی بات عرض کی گئی تو حضرت مولانا نے اس پر فوراً اہتمام سے توجہ فرمائی۔

مولانا کے علمی افادات: حضرت مولانا کی علمی خدمات کا دوسرا پہلو تحریر وتصنیف کی صورت میں جلوہ گر

ہوا، کم لوگوں کو معلوم ہے کہ حضرت مولانا نے ابتدائی زمانۂ تعلیم سے مختلف اہم ترین علمی مباحث وموضوعات پر بڑی گہرائی اور وسعت نظر کے ساتھ لکھا اور زیر تحریر تمام عنوانات وموضوعات کا حق ادا کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ حضرت مولانا نے کئی کتابوں پر مقدمے تحریر کئے، متعدد، شاید دسیوں کتابوں کی تخریجات کیں، اور بعض پر حاشیے لکھے، ہدایہ اولین کا مقدمہ بڑی معرکہ کی تصنیف ہوتی اگر مکمل ہوجاتی، اسی طرح مشکوٰۃ المصابیح پر بسیط مقدمہ، اصول الشاشی، اور نورالانوار کی روایات کی تخریج وتحقیق اور مختلف کتابوں اور ضمنی موضوعات وعنوانات پر چھوٹی بڑی تصانیف، اجزاء اور رسائل تحریر کئے، ان کی مجموعی تعداد، میرے اندازہ کے مطابق، پینتالیس پچاس کے درمیان ہوگی، یہ تحقیق وتصنیف مولانا کا گویا دائمی معمول تھا۔

پچاس سال تک حضرت مولانا کا قلم، دسیوں عنوانات کے تحت سرگرم سفر رہا، یہاں کس کس کا تذکرہ کیا جائے، کس کس کی بات کی جائے، صحیح مسلم کے مقدمہ پر حضرت مولانا نے دو کتابیں علیحدہ لکھیں، حضرت امام بخاری کے احوال اور ان کی کتاب کے منہج پر ایک بسیط تالیف فرمائی، اس کے علاوہ زیر مطالعہ کتابوں پر کثرت سے حاشیے، افادات، تصحیحات، تخریج روایات، اغلاط ومندرجات کی تصحیح، گویا ایک دائمی عمل تھا، جو آخری دنوں تک جاری رہا۔

حضرت مولانا نے حدیث شریف کی بڑی کتابوں میں سے سب سے پہلے مشکوٰۃ شریف پڑھائی، اس پر کس قدر محنت کی اور کیا کیا لکھا، میں کیا عرض کروں۔ مجھے بھی حضرت مولانا سے مشکوٰۃ وصحیحین پڑھنے کی سعادت وعزت حاصل ہے، اس لئے میں اور میرے ساتھی حضرت مولانا کے حاشیۂ مشکوٰۃ میں بے پناہ انہماک کو دیکھتے رہتے تھے۔ مولانا کے خیالات وتصورات پر دن رات، وہی غالب رہے، سوتے جاگتے اسی پر غور کرتے، اسی کے مباحث اور متعلقات میں کھوئے رہتے تھے۔ مشکوٰۃ بلکہ حدیث شریف کے مباحث وعنوانات کی طلب وجستجو اور تحقیق میں حضرت مولانا نے دوپہر کا آرام اور رات کا سونا بھی قربان کردیا تھا، مہینے میں کئی راتیں ایسی گذرتیں کہ حضرت مولانا مطالعہ میں عشاء سے فجر کردیتے۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ مظاہر علوم مدرسہ قدیم کی مسجد کے مؤذن، مرحوم اللہ بندہ کاندھلوی مولانا کا آکر مونڈھا ہلاتے اور کہتے، مولوی صاحب فجر کی تکبیر شروع ہوگئی ہے، اور یہ انتہائی سردی کی لمبی راتوں کی بات ہے، اس وقت نہ مولانا کے کمرے میں بجلی تھی، نہ اچھا بستر تھا، اوڑھنے کے لئے بھی کچھ نہیں تھا، صرف ایک معمولی سی رضائی تھی، جو برسوں تک استعمال کی وجہ سے اپنا رنگ اور شاید اپنی گرمی بھی چھوڑ چکی تھی، جب ایسا جذبہ اس قدر

غیر معمولی انہاک اور ایسی بے پناہ اور غیر معمولی محنت وتوجہ ہوگی، تو علم کیوں نہیں ان کے لئے اپنے پر کو کھول دے گا اور کیوں نہیں بارگاہ الٰہی سے باب قبولیت مفتوح ہوگا۔

حضرت مولانا اسعد اللہ اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا سے اجازت: حضرت مولانا کی زمانۂ تعلیم میں تزکیہ وسلوک اور معمولات مشائخ کی جانب زیادہ توجہ نہیں تھی، بعض اساتذہ اور خود شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نے بھی ان کو توجہ دلائی، مگر بیعت اور ذکر دونوں کی طرف زیادہ التفات نہیں تھا، مدرس ہونے کے بعد خود ہی بعض معمولات شروع کردیئے تھے جو چلتے رہے، اسی دوران حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب جو حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے بہت ممتاز خلیفہ اور مدرسہ مظاہر علوم کے ناظم، مولانا کے خاص استاذ بھی تھے، ایک دن ۵؍محرم الحرام ۱۳۹۶ھ [۸؍جنوری ۱۹۷۶ء] عصر کی نماز کے لئے جاتے وقت دارالطلبہ قدیم کی مسجد کے دروازہ پر مولانا کو خلافت واجازت سے نوازا، تقریباً دس مہینہ کے بعد ۱۱؍ذی قعدہ ۱۳۹۶ھ [۴؍نومبر ۱۹۷۶ء] حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا نے بھی اجازت بیعت عطا کی، اس وقت مولانا نے بتایا کہ مولانا اسعد اللہ صاحب نے بھی مجھے اجازت دی ہے۔ مولانا نے ابتدائی کئی سالوں تک اس کی کوشش کی کہ لوگوں کو اس اجازت کا علم نہ ہو، مگر بعد میں بیعت کا سلسلہ شروع ہوا جو آہستہ آہستہ بہت وسیع ہوگیا تھا، ہزار ہا اشخاص مولانا کے دامن تربیت سے وابستہ ہوئے، جس میں خاصی تعداد علمائے کرام اور اہل مدارس کی تھی۔ حضرت مولانا نے بھی کئی لوگوں کو خلافت واجازت سے نوازا، جس میں سے بعض کو تفصیلی طور پر سیر سلوک کرائی گئی، مولانا کے خلفاء کی تفصیل مجھے معلوم نہیں مگر اندازہ یہ ہے کہ چوبیس، پچیس لوگوں کو خلافت دی گئی۔

علمی آثار ومؤلفات: باقاعدہ تصانیف کے علاوہ، حضرت مولانا کے افادات کی دو خاص یادگاریں اور ہیں۔

ایک وہ علمی خطوط ومراسلات ہیں، جو مولانا کے نیازمندوں نے اور ہندوستان کے علاوہ اور ملکوں کے اہل علم واہل کمال نے اور ان سب سے بڑھ کر حضرت مولانا کے تقریباً تمام استادوں نے، یہاں تک کہ حضرت مولانا محمد زکریا نے بھی مولانا سے بار بار رجوع کیا، تحریری طور پر ان سے سوالات کئے اور حضرت مولانا نے ان کے جامع، مدلل جوابات تحریر کئے، جو ان حضرات کی خصوصی دعاؤں کا ذریعہ بنے۔

مولانا مفتی زید صاحب اور مولانا محمد ایوب سورتی کا بڑا کام: حضرت مولانا، اکثر سوالات کے اطمینان بخش اور مفصل جواب دیتے تھے اور ان میں سے بہت سے جوابات کی نقل طلباء سے کرالیا کرتے تھے، ایسے

سوالات وجوابات کا ایک بڑا ذخیرہ مولانا کے ذخیرہ میں موجود تھا، آٹھ دس سال سے حضرت مولانا کے نیازمند اور شاگرد، مولانا سے باربار گذارش کررہے تھے کہ ان سب کو مرتب وشائع ہونا چاہئے، حضرت مولانا ہمیشہ متواضعانہ کلمات فرماتے اور صاف انکار کردیا کرتے تھے، بالآخر یہ سعادت مولانا مفتی زید صاحب [استاذ ندوۃ العلماء، لکھنؤ] کے حصہ میں آئی، انہوں نے حضرت مولانا کے افادات ومکتوبات جمع کرکے دوتین حصوں میں نوادرالحدیث اور نوادر الفقہ جس میں اور بھی چیزیں ہیں، اللالی المنشورۃ کے عنوان سے شائع کردیئے، پھر اس کام کو مولانا ایوب صاحب سورتی نے بڑے پیمانہ پر آگے بڑھایا، جس کی چار بڑی جلدیں ''الیواقیت الغالیہ'' کے نام سے شائع ہوچکی ہیں، اور علمی حلقوں میں بہت مقبول ہیں، اس کی ایک جلد اور متوقع ہے۔

افادات صحیح بخاری: مولانا ایوب صاحب نے اس کے بعد حضرت مولانا کے بخاری شریف کے درسی افادات مرتب کرنے کا آغاز کیا اور اس کے لئے بہت محنت اور کوشش سے ایک بڑے کام کی بنیاد رکھی۔

حضرت مولانا کا اک دائمی معمول یہ تھا کہ وہ حدیث شریف کی جو بھی کتاب پڑھاتے، اس کے ہر دو ورقوں کے بیچ میں ایک سادہ ورق لگا کر، اس پر تازہ مطالعہ اور حوالے لکھتے رہتے تھے، مشکوٰۃ شریف اور صحیح بخاری میں یہ ہوا کہ وہ سادہ صفحات جو لگوائے گئے تھے، بالکل پر ہوکر ناتمام ثابت ہوئے، تحریری افادات رقم کرنے کا سلسلہ بدستور جاری رہا، اس کے لئے اجزاء مرتب کئے گئے، وہ اجزا ہر دو اوراق کے بیچ میں رکھے جاتے تھے، مگر پھر ایک وقت وہ آیا کہ یہ اجزاء بھی ناکافی ثابت ہوئے لیکن حضرت مولانا مختلف کاغذات کے پرچوں یا بڑے صفحات پر نئی معلومات یا تازہ اطلاعات مسلسل تحریر فرماتے رہے، یہاں تک کہ بعض دو، دو صفحات کے بیچ میں حضرت مولانا کے قلم کے لکھے ہوئے، دس سے پچاس کاغذات واوراق تک منسلک ہیں، اور ہر ایک نئے دن کے ساتھ ان میں نیا اور مسلسل اضافہ ہوتا رہتا تھا۔ حضرت مولانا کے یہ افادات، تحقیقات حدیث پر مشتمل نئے مطالب ومعانی کی تحریر ورہنمائی ہے جو صحیح بخاری کی اکثر معروف شروحات پر اضافہ اور نئی دریافت شمار کیا جائے گا۔

اس کے علاوہ حضرت مولانا کا بخاری شریف کے تراجم وابواب پر بھی لکھنے کا ایک دائمی معمول تھا، ہر سال ان اجزاء کو دیکھتے اور ان میں کثرت سے حذف واضافہ فرماتے رہتے تھے، یہ غالباً پچاس سے زیادہ کاپیاں اور اجزاء ہیں، جس میں حضرت مولانا کے پچاس سالہ مطالعہ اور تحقیقات کا حاصل قلم بند ہوگیا ہے، مگر یہ بھی مولانا کے علم کی منتہائے پرواز نہیں تھی، ان کا شہباز علم ہمیشہ بلند سے بلند تر منزلوں اور عالی سے عالی تر

مقامات کی جستجو میں رہتا تھا۔

حضرت مولانا سے ہر چند درخواست کی گئی کہ وہ ان سب چیزوں کو مرتب فرمادیں، ان کو شائع کرنے کی اجازت دیدیں، مگر مولانا ہمیشہ یہی فرماتے تھے کہ یہ تو طالب علمانہ افادات ہیں، ہمیشہ انکار کرتے رہے، مگر مولانا ایوب صاحب کی مرتبہ ''الیواقیت الغالیہ'' کے بعد ان چیزوں کی اشاعت سے جو بیزاری سی تھی وہ کم ہوئی اور ان چیزوں کے عکس، مولانا ایوب صاحب کے حوالے کردئیے۔

کتاب التوحید :اس سلسلہ کی پہلی اشاعت، حضرت مولانا کے بخاری شریف کے آخری باب ''الرد علی الجہمیہ'' کے پرانے درس کی تقریر تھی، جس کو مولانا ایوب صاحب نے اپنی تعلیم کے وقت قلم بند کیا تھا، مولانا ایوب صاحب نے اس کو نہایت سلیقہ سے مرتب کرکے، عمدہ کمپوزنگ، عمدہ کاغذ اور خوشنما جلد کے ساتھ شائع کیا۔ جو بڑے سائز کے دوسواڑتیس صفحات پر آئی ہے۔ کتاب التوحید کی عمدہ طباعت حضرت مولانا کی خوشنودی اور دعاؤں کا سبب ہوئی اور حضرت مولانا نے، مولانا سورتی صاحب کو، اپنی تحریرات پر کام کرنے کی پوری اجازت دیدی۔

سب سے پہلے مولانا نے بہت محنت اور لمبی دماغ سوزی کے بعد، حضرت مولانا کے ان افادات کو تحریری صورت میں مرتب کرنے کا ارادہ کرلیا اور بخاری شریف کے حضرت مولانا کے خاص افادات پر توجہ اور محنت کی اور اس کو مرتب کرکے ''نبراس الساری الی ریاض البخاری'' کے نام سے شائع کرنا شروع کیا، اس کی پہلی جلد حضرت مولانا کی حیات میں شائع ہوگئی تھی، جو کتاب الوضوء تک ہے اور بڑے سائز کے پونے چھ سو [۵۷۰] صفحات پر مشتمل ہے۔ دوسری جلد بھی تقریباً اسی قدر صفحات پر آرہی ہے، جس کی طباعت تقریباً مکمل ہوچکی ہے، امید ہے کہ ذی الحجہ ۱۴۳۸ھ تک منظر عام پر آجائے گی، تیسری جلد اختتام کے قریب تھی، امید ہے کہ وہ بھی جلد ہی مکمل ہوجائے گی، انشاء اللہ تعالیٰ!

یہ سلسلہ اگر حضرت مولانا کے منصوبہ اور ترتیب کے مطابق مکمل ہوتا، تو خیال یہ تھا کہ شاید دس جلدوں میں آتا، اللہ تعالیٰ مولانا ایوب صاحب کی اس سلسلہ میں بہت زیادہ مدد فرمائے اور یہ سارا سلسلہ اسی شان سے مکمل ہوکر طباعت سے آراستہ ہوجائے۔

مگر یہ سلسلۂ افادات وتحریر جو ''نبراس الساری'' کے نام سے شائع ہونا شروع ہوا ہے حضرت مولانا کی درسی تقریروں کے علاوہ ایک بڑا سرمایہ اور خزانہ ہے، مشکوۃ المصابیح اور صحیحین خصوصاً صحیح بخاری کی درسی

تقریر پچاسوں طلباء نے اپنی اپنی تعلیم کے دوران مرتب کیں ان میں سے بعض مستقل شروحات کی حیثیت رکھتی ہیں امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ ''نبراس الساری'' کے بعد ان کی طباعت پر بھی توجہ ہوگی۔

اس کے علاوہ بھی حضرت مولانا کے علمی افادات یادداشتوں اور کتابوں پر درج حاشیوں کا ایک بہت بڑا وسیع سلسلہ ہے، اللہ تعالیٰ ایسے اسباب مہیا فرمائے اور اہل علم خصوصاً حضرت مولانا کے شاگردوں اور متعلقین کو ان کی حفاظت واشاعت کی توفیق عطا فرمائے۔ اللھم آمین

حضرت مولانا کی وفات اچانک اور بالکل غیر متوقع ہوئی، مولانا کی صحت کبھی بھی بہت اچھی نہیں رہی، طالب علمی کے وقت سے مختلف قسم کی بیماریوں کا دائمی سلسلہ تھا، جو کبھی کم ہوجاتا، کبھی بڑھ جاتا، ادھر آخری چھ سات سال میں دو تین مرتبہ بہت زیادہ بیمار ہوئے، ایسے کہ زندگی کی امید نہیں رہی تھی مگر پھر اللہ تعالیٰ نے حیات بخشی، حضرت مولانا کا معمول یہ تھا کہ صحت کے ذرا بحال ہوتے ہی فوراً اپنے کاموں میں لگ جاتے تھے، اس وقت جب وفات ہوئی کوئی باقاعدہ بیماری یا ایسی کیفیت نہیں تھی کہ جس سے آنے والے خطرہ کا احساس ہوتا۔ ۱۵ رشوال دوشنبہ کا دن تقریباً معمول کے مطابق گذرا، دوپہر میں کھانا کھایا، آرام کیا، اور جو روزانہ کی ترتیب تھی اس پر عمل ہوتا رہا، رات میں مغرب کے وقت سے طبیعت کچھ مضمحل ہوئی، کھانا بھی نہیں کھایا اور اضمحلال وکمزوری کا بہت احساس کرتے رہے، اسی دوران کچھ بے ہوشی بھی ہوئی مگر پھر افاقہ ہوگیا، افسوس کہ اس وقت کسی ذمہ دار، سمجھ دار آدمی کے موجود نہ ہونے سے اس پر پوری توجہ نہیں ہوئی، اچھے ڈاکٹر کو نہیں دکھایا گیا پوری رات بہت کمزوری، نیم بے ہوشی میں بسر ہوئی، صبح صادق کے وقت معمول کے مطابق اٹھے، حضرت مولانا کا فجر کی نماز اول وقت پڑھنے کا معمول تھا، نماز کے لئے تیاری کی نماز پڑھنی شروع کی مگر دوسری رکعت کے سجدہ سے کمزوری کی وجہ سے سر نہیں اٹھا سکے، خادم نے بعد میں اٹھایا، بے ہوشی طاری تھی اس کے بعد افاقہ نہیں ہوا، اور اسی کیفیت میں وفات ہوگئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ندعو اللّٰہ رب العالمين أن يرحم شيخنا المحدث الرباني الرجل الصالح الولي الخفي، وأن يسكنه فسيح جناته وأن يجمعنا به في جنات النعيم وأن لا يفتنا بعده وأن ينفعنا بعلمه وأدبه ومنهجه۔